چند واقعاتی "جھلکیاں"

(رفیق امیر شریعت) مرزا محمد حسن چغتائی رحمہ اللہ
سابق امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

میں نے ۱۹۳۴ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال کے قریب تھی۔ کھروڑ پکا میں انہیں دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے شہر کے دیندار طبقے کے دلوں کو ہلا دیا۔ جبکہ قریشی حضرات نے ریاست بہاول پور کے ایک حق پسند عالم دین سے اپنی جامع مسجد میں وعظ کرایا۔ جن کے ارشادات تبرائی پارٹی پر کچھ گراں گزرے۔ واپسی پر لودھراں اسٹیشن پر ایک مقامی ذاکر نے موقع پا کر واعظ موصوف کی توہین کی۔ خبر کھروڑ پکا میں پہنچی تو جامع مسجد میں مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا جس میں بندہ بھی موجود تھا۔ وہاں ایک جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی۔ جس کا نام "خدام الدین" رکھا گیا۔ مجھے اس کا سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد جماعت کا نام بدل کر "شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام" رکھا اور مرکز سے الحاق کر لیا گیا۔ اس طرح حضرت امیر شریعت سے تعلق قائم ہو گیا۔ شاہ جی سے تعلق استوار ہو جانے کے بعد سرکاری ملازمت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد بسلسلۂ روزگار سابق ریاست بہاولپور میں رہائش اختیار کر لی۔ لیکن ریاست بہاول پور اور ضلع ملتان کی تبلیغی اور حریت پرور جماعتوں اور تحریکوں میں برابر نمایاں حصہ لیتا رہا۔ شاہ جی سے وابستگی بڑھتی چلی گئی۔ اور بیٹا کہہ کر پکارنے لگے۔

۱۹۴۹ء کے اوائل میں بیعت بھی کر لی اور آخری وقت تک آمد و رفت، خط و کتابت اور جماعتی تعلق قائم رہا۔ میں نے اس مضمون کے ذریعہ اپنے مشاہدات کی روشنی میں شاہ جی کے کردار کی چند جھلکیاں دکھانے کی کوشش کی ہے جو اس سے قبل پریس نہیں پہنچیں۔

ایفاء عہد

لاہور میں احرار کانفرنس کے اجلاس ہو رہے تھے۔ دفتر میں حسب معمول شاہ جی کے ارد گرد پروانوں کا اجتماع تھا۔ اور مجلس کشت زعفران بنی ہوئی تھی۔ دوسری طرف حافظ علی بہادر خان، شیخ حسام الدین صاحب اور دیگر زعماء غیر رسمی گفتگو میں مصروف تھے۔ شیخ صاحب نے شاہ جی کو اپنی طرف متوجہ فرما کر کہا کہ حافظ صاحب بمبئی کے لئے وقت چاہتے ہیں۔ شاہ جی نے فرمایا کہ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شیخ صاحب نے حافظ صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ ۱۰ محرم کے لئے کانفرنس کا پروگرام بنا لیجئے۔ اس پر شاہ جی چونکے اور فرمایا کہ اس تاریخ کو میں بمبئی نہ جا سکوں گا۔ شیخ صاحب نے ملک عبدالغفور انوری (مرحوم) کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ ملک صاحب بات پا گئے۔ اور کہا کہ دفتر میں تو اس تاریخ کو شاہ جی کا کوئی پروگرام مرتب نہیں ہوا۔ اس پر شاہ جی نے اپنا اٹیچی منگوا کر ڈائری نکالی۔ اور شیخ صاحب کی طرف بڑھا دی۔

شیخ صاحب نے ورق گردانی کرتے ہوئے باآواز بلند پڑھا "سمہ سٹہ جنکشن، عثمان پور، سید محمد علی شاہ" اور پھر اپنے مخصوص انداز میں ایک لمبی "ہوں" نکالتے ہوئے یوں گویا ہوئے کیا ہوا کوئی معمولی بستی ہو گی نہ سہی اطلاع دے دی جائے گی۔ لیکن شاہ جی نے فرمایا۔

"میں سید زادہ ہوں اور اپنے عہد سے نہیں پھر سکتا۔ اگر میں بقید حیات ہوا اور باہر رہا تو ان شاء اللہ العزیز اپنا وعدہ پورا کروں گا" اس پر شیخ صاحب نے اپنا زور تکلم صرف کر ڈالا۔ بمبئی کی اہمیت اور جماعتی مفاد کے موضوعات زیر بحث لائے گئے۔ لیکن شاہ جی اپنے مقام پر قائم رہے۔ اور بالآخر طے پایا کہ بمبئی کے لئے کوئی دوسری موزوں تاریخ مقرر کی جائے۔

ملک پیر بخش صاحب گھلو (مرحوم) (علاقہ بہاولپور کی بستی بہاولپور گھلواں کے ایک زمیندار) شاہ جی کے مرید تھے۔ ایک بار ۱۲ ربیع الاول کو جلسہ کا پروگرام بنایا۔ شاہ جی حسب وعدہ تشریف لے گئے۔ موقع پا کر وہاں کی بزرگ اور قابل احترام شخصیت حافظ کریم بخش مرحوم کی وساطت سے اس تاریخ کو آئندہ کے لئے مستقل ریزرو کرا لیا گیا۔ چنانچہ جب بھی اس موقع پر شاہ جی جیل سے باہر اور تندرست ہوئے۔ دہلی، آگرہ، لاہور، جالندھر اور بمبئی جیسے مقامات کی دعوتوں کو ٹھکرا کر اور جماعتی پروگرام کو پس پشت ڈال کر ریلوے اسٹیشن سے پندرہ بیس میل کا کٹھن سفر کبھی گھوڑے اور کبھی اونٹ پر طے کر کے وہاں پہنچے اور سالہا سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

سمہ سٹہ کی ایک نواحی بستی کے دکاندار حاجی فیض بخش کو ان کے اصرار اور منت سماجت پر وقت دے دیا۔ مابعد احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ان ہی تواریخ میں مقرر ہو گیا۔ اب شاہ جی کو امرتسر سے سمہ سٹہ سے چار میل کے فاصلہ پر دریا کے کنارے تقریر کے لئے پہنچنا تھا۔ اور پھر لاہور واپس جا کر اجلاس میں شریک ہونا تھا۔ ایک طرف ایفائے عہد اور دوسری طرف احساس فرض۔ رفقاء کرام نے سمہ سٹہ کے پروگرام کی منسوخی کا مشورہ دیا۔ لیکن اس مرد مومن نے دو جھگوں کی اس بستی میں پہنچ کر اپنے وعدہ کو نبھایا اور اجلاس کے اختتام سے قبل لاہور پہنچ کر دو روزہ بحث میں الجھے ہوئے مسائل کو بھی چٹکی بجاتے میں حل کر دیا۔

تدبر اور وفاداری

کہروڑ پکا سے سات میل کے فاصلہ پر بیلہ واگہ کے مضافاتی دیہات میں احرار رضا کاروں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ ان کے اصرار پر دو روزہ کانفرنس کی منظوری مرکز سے حاصل کی گئی۔ علاقہ کے زمیندار ان اگرچہ رضا کاروں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف تھے۔ اور انہوں نے کبھی تعاون نہ کیا تھا۔ لیکن اب کانفرنس کے انعقاد اور پھر شاہ جی کی تشریف آوری کی خبر سے وہ تعاون کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور پیش کش کی کہ مقررین حضرات کی رہائش اور مہمانوں کے خورد و نوش کا انتظام ان کے ذمہ ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس موقع پر شاہ جی کے علاوہ مولانا قاضی احسان احمد، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، اور دیگر مقررین شریک کانفرنس تھے۔ پہلے اجلاس کی ابتدائی کارروائی کے بعد پروگرام کے مطابق قاضی صاحب کی تقریر کا آغاز ہوا۔ اجتماع حاضری

کے لحاظ سے عدیم النظیر تھا اور علاقہ کے باوردی مسلح رضا کار قریباً ایک صد کی تعداد میں ڈیوٹی پر موجود تھے۔
قاضی صاحب نے مجلس احرار کے کارناموں کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے بعد اصلاح الرسوم کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار شروع کیا۔ جب وہ شادی بیاہ کے موقع پر کنجریوں کے مجرا وغیرہ پر پہنچے اور علاقہ کے زمینداران کو اپنے زور دار اور مخصوص انداز میں ایسی قبیح رسومات پر شرم دلائی تو وہ اسے برداشت نہ کر سکے۔ ان میں سے ایک دو نے کھڑے ہو کر اعتراض کیا تو قاضی جی کا پارہ اور تیز ہو گیا بالآخر علاقہ کے ایک مقتدر زمیندار نے جلسہ گاہ (جلسہ عید گاہ میں ہو رہا تھا جو چار دیواری سے محیط تھی) کی دیوار پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ "ہم زمینداران علاقہ کی جس قدر رعیت یہاں موجود ہے وہ جلسہ گاہ سے باہر نکل آئے۔ اس پر قاضی نے جواباً اپیل کی۔ خدا کی مخلوق اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی بھی باہر نہ جانے پائے" زمینداران اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور کھسیانے ہو کر باہر چلے گئے۔ باہر جا کر جلسہ کو ناکام بنانے کی تدابیر پر غور کرنے لگے۔ چونکہ فساد کا اندیشہ تھا۔ اس لئے میں ایک رضا کار کو ہمراہ لے کر فوراً قیام گاہ پر پہنچا اور شاہ جی سے واقعات بیان کئے۔ شاہ جی فوراً اٹھے۔ وضو فرمایا۔ اور جلسہ گاہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ باہر کھڑے زمینداران نے جب شاہ جی کو آتے دیکھا تو راستے ہی میں قاضی جی کی شکایت کی۔ شاہ جی نے ان کو اطمینان دلایا اور جلسہ گاہ میں ہمراہ لے آئے۔ جلسہ گاہ نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھا۔ قاضی صاحب کی تقریر کچھ دیر تک جاری رہی۔ شاہ جی تقریر کے لئے اٹھے۔ اور خطبہ مسنونہ کے بعد یوں مخاطب ہوئے۔

"آپ دیہات کے رہنے والے ہیں آپ کے ہاں گلی کوچوں کی صفائی کا انتظام نہیں لیکن ضروریات کے پیش نظر شہر میں آتے جاتے ہوں گے وہاں آپ نے دیکھا ہو گا کہ کمیٹی کے خاکروب سڑکوں اور کوچوں میں جھاڑو لئے صفائی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نالیاں بھی صاف کرتے ہیں۔ اگر کسی شہر میں دو تین روز عملہ صفائی اپنا کام نہ کرے۔ تو شہر میں عفونت پھیل جائے۔ گندگی کے انبار لگ جائیں۔ راستے مسدود ہو جائیں اور زندگی دو بھر ہو جائے۔ اس طرح سے انسانوں کی روحانی گندگی کی صفائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے علماء کو ڈیوٹی پر لگایا ہے۔ جو وعظ اور تبلیغ کے ذریعہ روحانی گندگی کو صاف کرتے رہتے ہیں۔ اگر کچھ عرصہ یہ سلسلہ رک جائے تو دنیا فسق و فجور اور فساد سے بھر جائے۔ شہر کی سڑکوں پر جب خاکروب صفائی کر رہے ہوں تو آپ نے مشاہدہ کیا ہو گا کہ کہیں تو یہ عالم ہو گا کہ خود صفائی کرنے والے اور راہگذر لوگوں کے چہرے اور پوشاکیں گرد آلود ہوں گی اور کہیں نالی کے چھینٹوں کے نشانات ہوں گے۔ لیکن کہیں ایسا بھی ہو گا کہ صفائی بھی اپنی جگہ پر درست ہو گی لیکن نہ تو کسی راہ گذر کے چہرے پر گرد کے آثار ہوں گے اور نہ خاکروب گرد آلود ہو گا۔ اس میں صرف تجربہ کا فرق ہے۔ پہلا خاکروب ناتجربہ کار ہو گا اور دوسرا اپنی عمر کا بڑا حصہ اس کام میں صرف کر کے تجربہ حاصل کر چکا ہو گا۔ یہی حال ہمارا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے ساتھی کی ناتجربہ کاری سے سامعین میں سے کچھ صاحبان پہلے خاکروب والی کارروائی کی زد میں آگئے۔ اب میں آپ کا پرانا خدمت گذار آپ کے سامنے آیا ہوں میں ہلکا چھڑکاؤ کر کے گرد جماؤں گا اور پھر ایسے طریق پر صفائی کروں گا۔ کہ ان شاء اللہ

تعالیٰ کوئی گرد نہ اڑے گی اور گندگی نام کو نہ رہے گی"۔

فضا نعروں سے معمور ہو گئی شاہ جی کی تقریر مسلسل تین گھنٹے جاری رہی۔ اعتقادات، رسومات، سیاسیات، حقوق العباد غرضیکہ ہر چیز پر اظہار خیال فرمایا۔ تقریر کے اختتام پر اجلاس کی کارروائی ختم ہوئی۔ اور شاہ جی دیگر ساتھیوں کے ہمراہ رہائش گاہ کی طرف جانے لگے۔ تو زمینداران میں سے ایک صاحب نے آگے بڑھ کر کہا کہ قاضی صاحب کو ہمارے ڈیرے میں نہ لے جائیں۔ شاہ جی نے وہیں رک کر رخ پھیر لیا اور علاقہ کے برسر آوردہ کارکن مولوی اللہ داد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم تمہارے گھر چلیں گے۔ چنانچہ رضا کاروں کو ہدایت دی گئی کہ وہ مہمانوں کا سامان لے کر نصف میل کے فاصلہ پر مولوی صاحب کی بستی میں پہنچا دیں۔ اس پر زمینداران نے عذر خواہی کی۔ قاضی صاحب کو منانے کی کوشش کی لیکن آپ نہ مانے وہاں نہ روٹی کا انتظام نہ چارپائیوں کا۔ بستر کھلی چٹائیوں پر بچھا دیئے گئے اور شاہ جی نے علاقے کے رضا کاروں کو حکم دیا کہ اپنے گھروں میں جا کر اپنی اپنی روٹی لے آئیں۔ چنانچہ ایک گھنٹہ کے اندر اندر علاقہ کے پچاس ساٹھ رضا کار اپنے کھانے لے کر آگئے جنہیں ایک دستر خوان پر رکھ دیا گیا۔ اس طرح نہ کوئی رضا کار بھوکا رہا اور نہ کوئی مہمان۔ روکھی پھیکی غذاؤں کے دستر خوان پر حضرت شاہ جی کی مرغن گفتگو نے وہ سماں پیدا کیا کہ کان آج تک اس کی لذت سے آشنا ہیں۔ کانفرنس کے اجلاس دوسرے روز بھی ہوئے اور عدیم النظیر کامیابی کے ساتھ ختم ہوئے۔

علماء و صلحاء کا احترام

الہ آباد (علاقہ بہاولپور) میں جلسہ ہو رہا ہے شاہ جی اپنی قیام گاہ میں معتقدین کے جھرمٹ میں بیٹھے ہیں۔ مجلس گرم ہے کہ اتنے میں جلسہ گاہ سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ مولوی عبدالحق صاحب احمد پوری تقریر فرما رہے تھے۔ شاہ جی آواز پہچان گئے اور حاضرین کو کہا "میرے پاس بیٹھے کیا لو گے۔ جاؤ ریاست کا محدث بول رہا ہے۔ ان سے کچھ حاصل کر لو"۔

غالباً ۴۲ء کا ذکر ہے۔ پہلی راجن میں جلسہ ہو رہا تھا۔ رہائش گاہ کے اندرونی حصہ میں تشریف فرما تھے۔ کسی نے خبر دی کہ حضرت حافظ کریم بخش صاحب مرحوم بہاولپور گھلواں والے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ پان بنا رہے تھے۔ پاندان کھلا چھوڑ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے مکان سے باہر آئے تو نہر کے کنارے حافظ صاحب (مرحوم) کا اونٹ بٹھایا جا رہا تھا جلدی سے وہیں پہنچ کر استقبال کیا۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ آپ نے اس قدر تکلیف کیوں کی۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا "میری جدوجہد آپ جیسے بزرگوں کی دعاؤں کا ہی تو نتیجہ ہے۔ اگر آپ کا احترام نہ کروں تو اور کس کا"۔

بہاولپور میں غریب خانہ پر مقیم تھے۔ مولوی جمیل الدین صاحب انسپکٹر مدارس عربیہ تشریف لائے اور بتایا کہ ان کے استاد محترم قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی مرحوم (والد مولوی عبدالرحیم معلم جامع

عباسیہ) انتقال آبادی کے بعد بہاول پور میں رہائش پذیر ہیں اور شاہ جی سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ لیکن صاحب فراش ہونے کے باعث قیام گاہ تک نہیں آسکتے۔ شاہ جی کے پاس وقت بہت تھوڑا تھا تاہم اسی وقت تیار ہوگئے اور کوچہ گل حسن میں قاری صاحب مرحوم کی فرودگاہ پر تشریف لے گئے۔ بندہ ہمراہ تھا۔ حضرت قاری صاحب مرحوم بہت کمزور تھے شاہ جی کو دیکھ کر ان کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ کافی دیر تک بھولی بسری باتیں یاد دلاتے رہے۔ اور شاہ جی پر دعاؤں کے گجرے نچھاور کرتے رہے۔ جب شاہ جی نے اجازت طلب کی تو قاری صاحب مرحوم نے پانچ روپے کا نوٹ سرہانے کے نیچے سے نکال کر شاہ جی کی خدمت میں ہدیتہً پیش کیا شاہ جی نے معذرت کی اور فرمایا کہ آپ جیسے بزرگوں کی خدمت تو مجھے کرنی چاہیئے۔ آپ کیوں تکلیف فرمائیں۔ لیکن قاری صاحب مرحوم مصر رہے۔ اور اپنی بات منوا کے چھوڑی۔ اس پر میں نے جھٹ اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکالا اور پورے ادب واحترام کے ساتھ حضرت قاری صاحب مرحوم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جو انہوں نے قبول فرمالیا۔ شاہ جی کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار ہویدا ہوگئے اور باہر آکر فرمایا "حسن تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا"

مسلسل بیماری کے آغاز سے قبل جب آخری بار بہاولپور میں تشریف لائے برادر عزیز سیٹھ عبدالخالق صاحب کے پاس قیام تھا۔ مجھے فرمایا کہ مولانا محمد صادق صاحب کو ملنا ہے۔ میں نے عرض کیا میں حضرت مولانا کو یہاں لے آتا ہوں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ "تم مولانا کی قدر کیا جانو وہ بہت بلند پایہ عالم ہیں۔ میں کون ہوں کہ انہیں اپنے پاس بلاؤں میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا" چنانچہ شاہ جی موری دروازے تشریف لے گئے۔ میں ہمرکاب تھا۔ وہاں پہنچ کر ایک لطیفہ بھی ہوگیا۔ مولانا موصوف اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ شاہ جی کو آتا دیکھ کر مسجد کے دروازے تک پہنچ گئے اور آتے ہی اپنا ہاتھ شاہ جی کے گھٹنوں کی طرف لے گئے۔ شاہ جی کے اظہار استعجاب پر ارشاد فرمایا کہ میں نے مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ مرحوم کو علامہ انور شاہ کشمیری سے اسی طرح ملتے دیکھا ہے۔ اس پر شاہ جی نے تبسم فرمایا اور کہا "ان کے کیا کہنے وہ تو علم کے بادشاہ تھے"۔

موتیٰ سے ہمدردی

سندھ کی طرف سے لاہور کو تشریف لے جارہے تھے سفر حسب معمول تھرڈ کلاس میں تھا۔ (فرمایا کرتے تھے کہ عوام الناس کو سفر میں تبلیغ ہو جایا کرتی ہے) احقر کو پروگرام کا علم تھا۔ اسٹیشن پر ڈیرہ نواب صاحب سے بہاول پور تک ہمراہ رہا۔ مبارک پور اور کلانچوالہ کے درمیان ایک قبرستان ریلوے لائن کے بالکل متصل واقع ہے مجلس گرم تھی۔ اور پروانے شمع کے گرد جمع تھے کہ قبرستان کو دیکھ کر شاہ جی نے بات چیت بند کر دی اور خاموشی سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ دو تین منٹ کی خاموشی کے بعد فرمایا کہ موتیٰ اس امر کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی راہگذر مسلمان ان کے لئے ایصال ثواب کرے جو ان کے ترقی درجات یا تخفیف عذاب کا

موجب ہو۔ اس لئے جب کبھی کسی مسلمان کی قبر دیکھو ٹھہر کر نہ سہی چلتے چلتے ہی قرآن مجید کی چند آیات اور یاد نہ ہو تو سورۂ فاتحہ یا اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کر دیا کرو۔ اگر آج آپ لاپرواہی سے گزر جائیں گے تو آئندہ نسلیں آپ سے بھی یہی سلوک کریں گی۔

مسلک کی پابندی

کون نہیں جانتا کہ شاہ جی اہلسنت و الجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور تادم آخر اسی مذہب پر قائم رہے۔ آئمہ اربعہ میں جب بھی کسی کا نام آیا تو آپ نے کمال عقیدت اور احترام سے ذکر کیا۔ لیکن تقلید حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی کرتے تھے۔ اور بالخصوص اپنے امام کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ آپ نے جو مسلک اختیار کیا تھا اس پر کسی حد تک پابند تھے۔ چند ایک واقعات اس سلسلہ میں جو میرے مشاہدہ میں آئے ان کا ذکر خالی از منفعت نہ ہوگا۔

بہاولپور میں بندہ کے ہاں قیام تھا۔ نماز ظہر کے وقت محلہ کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ جب جماعت کھڑی ہونے لگی اور امامت کے لئے ہر مقتدی کی نگاہ حضرت شاہ جی کی طرف اٹھی تو آپ نے دریافت کیا کہ امام نہیں ہے؟ جواباً امام صاحب نے شاہ جی کی خدمت میں نماز پڑھانے کی استدعا کی جس پر شاہ جی نے اپنے سفر کا حوالہ دیتے ہوئے معذرت کی۔ اس پر محلے کے ایک معتبر بزرگ نے کہا کہ دو رکعت بقیہ ہم خود پڑھ لیں گے شاہ جی نے مصلے پر تشریف لے جا کر امامت سے قبل مقتدیوں کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا کہ اچھا بتایئے آپ دو رکعت میں کیا پڑھیں گے؟ اس پر جلدی سے ایک معمر اور تعلیم یافتہ بزرگ نے جواب دیا کہ الحمد پڑھ لیں گے اور حسب دستور نماز پوری کریں گے اس پر آپ نے پوچھا کہ کس امام کے مقلد ہیں۔ سبھی نے بیک زبان جواب دیا کہ ہم حنفی ہیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا "اگر آپ حنفی المذہب ہیں تو خوب یاد رکھیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدیوں کی آخری دو رکعت بھی امام کی اقتداء میں سمجھی جائے گی اور انہیں ان دو رکعتوں میں بھی وہی کچھ پڑھنا ہوگا جو امام کے اقتداء میں پڑھا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگ بجائے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے خاموشی کے ساتھ انداز قرأت کے وقت قیام کر کے رکوع میں چلے جائیں گے۔

بہاولپور میں علامہ رحمتہ اللہ ارشد صاحب کے مکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ سات آٹھ آدمی نماز پڑھنے والے موجود تھے۔ اس لئے جماعت کے لئے استدعا کی گئی۔ سب لوگوں نے وضو کر لیا صف بندی ہو گئی اور شاہ جی مصلے کی طرف بڑھے تو میں نے اقامت کہنی شروع کر دی۔ آپ نے روک کر دریافت فرمایا کہ اذان کہہ دی؟ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ "ترک سنت کو عادت نہ بناؤ بلکہ بھولی بسری سنتوں کو زندہ کر کے اپنا گھر بہشت میں بنا لو۔ اذان کہنا سنت ہے۔ اسلئے پہلے اذان کہہ دو" چنانچہ پہلے اذان کہی گئی اور پھر جماعت کھڑی ہوئی۔

جامع مسجد شریف بہاول پور میں مجلس حزب اللہ کے زیر اہتمام مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مرحوم اور شاہ جی کی تقاریر کا پروگرام تھا۔ خطبہ جمعہ شاہ جی نے اپنے مخصوص زور دار انداز میں پڑھا۔ بعد نماز تقریر کے دوران فرمایا۔ "میں نے خطبہ کے دوران میں دیکھا کہ بعض لوگوں نے اذان کے بعد اور بین الخطبتین ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جہاں تک فقہ حنفی کا تعلق ہے اذان کے بعد اور خطبتین کے درمیان دعا کی اجازت نہیں ہے۔ خطبہ دو رکعت فرض کا قائم مقام ہے۔ اور اس کو خاموشی سے سننے کا حکم ہے (نماز کے وقت صفوں میں چھوٹے چھوٹے بچے موجود تھے) اچھی طرح سمجھ لو کہ نابالغوں کے لئے علیحدہ صف بندی کا تاکیدی حکم ہے۔ نابالغوں کا بالغوں کی صفوں میں نماز ادا کرنا تنقیص جماعت کا موجب ہے۔ علماء کرام موجود ہیں اگر میں کوئی غلط بات کہوں تو ٹوک دیں"۔

احتساب

حکیم غوث محمد جامپوری مجلس احرار کے قدیم کارکن اور چودھری افضل حق مرحوم کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ ایک عرصہ تک مرکزی دفتر کے آڈیٹر کی حیثیت سے ماتحت مجالس کے حسابات اور ریکارڈ کی پڑتال کرتے رہے۔ لودھراں میں تبلیغی کانفرنس ہو رہی تھی۔ شاہ جی تشریف لائے ہوئے تھے۔ بازار کے متصل ایک مکان کی بالائی منزل میں قیام تھا۔ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے کہ حکیم صاحب وارد ہوئے ادھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں کہ شاہ جی کی نگاہ حکیم صاحب کے سر پر پڑی ایک میلی کچیلی سی رومی ٹوپی (جسے عرف عام میں ترکی ٹوپی کہتے ہیں) پہنے ہوئے تھے۔ شاہ جی نے اشارہ سے طلب کی اور دوسرے لمحہ ٹوپی پھندنے کے ساتھ لہراتی ہوئی کھڑکی کے راستے بازار کے فرش کی زینت بن گئی۔ اس کے بعد آپ نے اول تو حکیم صاحب کی خبر لی اور پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ترکی ٹوپی تو اس کا نام پڑ گیا ہے ورنہ یہ ترکوں کے قومی لباس کا جزو نہیں ہے۔ اس کی ساخت اٹلی میں ہوتی ہے۔ اور پھر اٹلی کی اسلام دشمنی کی داستانیں کھول کر بیان کیں۔ بہاول پور میں رومی ٹوپی ریاستی حکومت کے دفتری لباس کا جزو تھی۔ اس لئے اس کا یہاں عام رواج تھا۔ میں بھی کبھی کبھی پہن لیا کرتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ لودھراں پہن کر نہ گیا تھا۔ ورنہ حشر معلوم۔ بہرحال لودھراں سے واپسی پر اس کا استعمال ترک کر دیا۔ اور دریافت پر گھر میں بھی حکیم صاحب کے واقعہ کا تذکرہ آیا۔ کچھ عرصہ بعد یاد نہیں کیا ضرورت پیش آئی کہ ایک دن پھر وہی ٹوپی پہن لی۔ میری اہلیہ نے لودھراں کا واقعہ یاد دلایا۔ میں نے ہنس کر ٹال دیا۔ رات کو خواب میں حضرت شاہ جی کو غضبناک حالت میں دیکھا۔ سر پر ہلکا سا تھپڑ مار کر ٹوپی نیچے گرادی۔ میری نیند اسی وقت کھل گئی۔ استغفار پڑھتا ہوا اٹھا اور آئندہ کے لئے ترکی ٹوپی کا استعمال قطعاً ترک کر دیا۔

مئی ۱۹۳۹ء میں بہاولپور کے آئینی ایجی ٹیشن میں عملی حصہ لینے کی پاداش میں مجھے ایک سال کے لئے ریاست بدر کر دیا گیا۔ اور کہروڑ پکا چلا گیا۔ شاہ جی کے ارشاد کے مطابق ریاست کی تحریک حریت کے سلسلہ میں ہی وہیں بیٹھ کر کام کیا تا آنکہ مولانا مظہر علی اظہر کی اپیل پر یوم بہاولپور منایا گیا۔ اور کہروڑ پکا سے رضا

کاروں کا ایک جتھہ بھی بھجوایا گیا۔ لیکن کہروڑ پکا میں مقیم ریاستی خفیہ پولیس کی بروقت اطلاعات کی بناء پر رضا کاروں کے داخلہ سے قبل ہی بقول چودھری افضل حق مرحوم حکمران کی ساحری کام کر چکی تھی۔ اور ریاستی کارکنان کمر ہمت توڑ کر گھر پہنچ چکے تھے۔ میں نے کہروڑ پکا ہی میں معمولی کاروبار شروع کر دیا۔ ساتھ ہی مجلسی تنظیم کا سلسلہ جاری رہا اور مضافاتی علاقہ میں جیوش احرار کا جال پھیل گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد جنگی بھرتی کے خلاف مجلس احرار کی سول نافرمانی شروع ہوئی تو مجھے ڈکٹیٹر منتخب کیا گیا۔ شبانہ روز تقریریں اور مظاہرے ہوتے۔ علاقہ کے پانچ سو کارکنوں اور رضا کاروں نے گرفتاری کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ لیکن گرفتاری کوئی نہ ہوئی۔ (حالات (ا) معمول پر آنے کے بعد معلوم ہوا کہ تھانہ کہروڑ کے تجربہ کار تھانیدار نے حکام کو مطلع کر دیا تھا کہ ہر بستی ہر گاؤں اور ہر کنوئیں پر رضا کار گرفتاری کے لئے تیار ہیں جس پر فیصلہ ہوا کہ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے) رہائی کے بعد حاجی عبدالرشید صدیقی (مرحوم) اور ملک عبدالغفور صاحب انوری نے (مرحوم) بتایا کہ اخباری رپورٹوں کی بناء پر ملتان جیل میں ہمیں روزانہ آپ کا انتظار رہتا تھا۔ بہرحال جب یہ دور گزر گیا اور شاہ جی کہروڑ تشریف لائے تو اس امر پر اظہار تعجب فرمایا کہ کہروڑ سے ایک رضا کار بھی گرفتار نہ ہوا۔ جس پر "احرار" سہارنپور اور دیگر اخبارات کی فائلیں پیش کر دی گئیں۔ فرمایا "یہ سب کچھ اپنی جگہ صحیح ہے مقصود گرفتاری تھی اور ضروری نہیں کہ کہروڑ ہی میں آپ کی گرفتاری ہوتی۔ جس عورت نے گھر سے بھاگنا ہوتا ہے وہ دروازوں کی طرف نہیں تاکا کرتی۔ آپ ملتان اور خانیوال جا کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر سکتے تھے" اس پر ندامت سے ہمارے سر جھک گئے۔ اور بیس سال کے عرصہ میں جب کبھی شاہ جی سے ملاقات ہوتی اور شاہ جی کے یہ الفاظ یاد آجاتے تو پیشانی عرق آلود ہو جاتی۔

محترم حاجی نور محمد صاحب کہروڑ پکا کے قدیم جاں نثار قومی کارکن اور شاہ جی کے لاڈلے مریدوں میں سے ہیں۔ اس اعتبار سے یقیناً خوش قسمت ہیں کہ ان کے اکثر بیٹے بیٹیوں کے نکاح شاہ جی نے پڑھے۔ ایک بار شاہ جی کو بہت تنگ کر کے اور بڑی منت سماجت سے اپنے لڑکے کے نکاح میں شمولیت کی دعوت منوا آئے اور یہاں آکر دیگر مقامی کارکنوں کے مشورہ سے اندر ہی اندر اس موقع پر شاہ جی کی تقریر کا پروگرام مرتب کر لیا۔ مضافات کے کارکنوں اور رضا کاروں کو بھی اطلاع بھجوائی گئی۔ شاہ جی کی تشریف آوری پر باوجود ان کی علالت طبع کے خاموشی سے جلسہ کا اہتمام بھی کر لیا گیا۔ شاہ جی اپنی قیام گاہ (محترم حاجی گل حسن صاحب کی بیٹھک) پر مقامی کارکنوں اور مضافاتی رضا کاروں کے جھرمٹ میں بیٹھے ان کے سروں پر احتساب کا لٹھ گھما رہے ہیں۔ دیہاتی کارکنوں کی جیبوں سے برآمد چٹھیاں زیر غور ہیں کہ کس نے لکھ کر بلایا۔ کوئی بھی اقرار نہیں کرتا۔ اس اثناء میں بندہ بھی پہنچ گیا اور شاہ جی کی دریافت پر تحریروں کو پہچان کر اپنے دو کارکنوں کے نام بتا دیئے۔ اب شاہ جی کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اور دو ٹوک فیصلہ دیا کہ "میری تقریر نہ ہوگی" اس فیصلہ پر مقامی کارکنوں کو جو خفت اٹھانا پڑی۔ اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔ لیکن آئندہ کے لئے سب محتاط ہو گئے اور اس کے بعد کبھی خلاف اصول حرکت کی جرأت نہیں کی۔